لمحہ جاں گسل

مصباح نوشین

کیسا یہ تیرا غم ہے کہ رونے نہیں دیتا
جلتا ہے جو دامن تو بھگونے نہیں دیتا
رہتا ہے میرے ترا درد یوں ہر پل
گردش میں جہاں کی مجھے کھونے نہیں دیتا

ویسے تو مجھے اپنی اماں جانی سے بہت پیار تھا مگر مجھے ان کی ایک عادت سے بہت زیادہ چڑ بھی اور وہ تھی نصیحت کرنے کی عادت۔ ہر وقت نصیحت۔ اگر میں سنوں تو کام اچھا تو کیا ہو سرے سے ہوتا ہی نہیں جس پر حسب معمول اماں جانی کی نصیحتوں کی پٹاری کا بھیا نک سامنہ کھل جاتا اور میرا موڈ اگلے کئی کئی دن خراب رہتا اور میں اماں جانی سے بھی اکھڑی اکھڑی رہتی اور خود سے بھی نالاں۔ شروع شروع میں تو مجھے یہ سب خاصا ناگوار گزرتا تھا مگر پھر ایک دن جب خود اپنا محاسبہ کیا تو کچھ کچھ قصور اپنا بھی نظر آیا بہر حال یہ تو طے ہے ناں کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی' اس احتساب کا اور کوئی فائدہ ہوا ہو یا نہیں (اماں کو) مگر مجھے اتنا ضرور فائدہ ہوا کہ اماں کے لعن طعن پر موڈ خراب رکھنے کے بجائے میں نے اس لیکچر کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دینے کا منصوبہ بنایا اور فوراً اس پر عمل بھی کر دکھایا۔ اب ہوتا یہ تھا کہ میں اماں کی تمام نصیحتیں جو وہ لڑکی ذات ہونے کے ناطے پلو سے باندھ کر رکھنے کو کہتیں' ان کے سامنے پلو میں ایک جگہ اکٹھی کر کے باندھ کر باہر آ کر کھول دیتی اور مرضی ہمیشہ اپنی کرتی۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں تھی مگر گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے تو مجبوراً انگلیاں ٹیڑھی بھی کرنی پڑتی ہیں۔ میں اماں جانی کی اکلوتی مگر سخت نا ہنجار اور نافرمان' زبان دراز' منہ پھٹ' نالائق' بدتمیز' بے حس و بے مروت' بدمزاج اور جانے کیا کیا تھی۔ بچپن سے یہ ساری خوبیاں دن رات سننے کے باوجود انہیں میں ازبر نہ کر سکی۔ میری یادداشت ذرا کمزور ہے (بے عزتی کے معاملے میں) اور یہ واحد میری خوبی ہے جسے میں خود کھلے دل و دماغ سے قبول کرتی ہوں۔ اماں جانی کو مجھ سے ایک نہیں کئی سارے گلے ہیں مثلاً یہ کہ لڑکی ذات ہونے کے ناطے مجھ میں حیا نام کی کوئی چیز ابھی تک نمودار نہیں ہوئی' تو کیوں نہیں ہوئی؟ آگے سوالیہ نشان؟ بھئی اب مجھے کیا پتہ کیوں نہیں ہوئی' اگر بازار سے مل سکتی تو اماں کی شدید حسرت کو ضرور پورا کرتی۔ مگر اچھا ہی ہوا جو ملی نہیں کیونکہ میرے اندر اور بھی بہت سی خامیاں ہیں جو میرے نزدیک تو صرف خوبیاں ہی ہو سکتی ہیں' آج

کل کے دور میں سچ بولنا‘ ایماندار ہونا‘ حسن سلوک سے پیش آنا وغیرہ برائی سمجھی جاتی ہے اور چوری چکاری‘ جھوٹ‘ بے ایمانی اور بد سلوکی کو فخر سمجھا جاتا ہے یہی خیالات (یہ میرے نادر خیالات ہیں) میں اماں سے برملا کہہ دیتی اور وہ جوتا اٹھا کر میرے پیچھے ہو لیتیں۔

ناہنجار! لوٹھا کی لوٹھا ہوگئی مگر عقل نام کو نہیں۔ ارے کیا عقل گروی رکھ دی ہے کسی کے پاس! یا استعمال ہی نہیں کرتی۔ ارے دماغ میں زنگ لگ جائے گا اسے کبھی استعمال بھی کرلیا کرو‘ غضب خدا کا جو اللہ رسول کا حکم ہے وہ آج کل برا ہوگیا اور جس چیز کی انہوں نے مخالفت فرمائی ہے وہ بھلا کیسے اچھی ہوگئی۔ مت کفر بولا کر عزہ خدا کے قہر سے ڈر۔“

اماں کو پتہ ہے ناں کہ میں اپنی چیزیں کسی کو نہیں دیتی اسی لیے یاد آنے پر جملہ تبدیل کرلیتی ہیں۔ اماں اپنی جگہ صحیح کہہ رہی تھیں اور میں اپنی جگہ۔ میں نے اپنے اردگرد جو دیکھا کہہ دیا۔

ارے تو جو میں تجھے اتنے عرصے سے سمجھا رہی ہوں اس کا کوئی اثر نہیں لیا تو نے؟ ناہنجار کاش تو میری بیٹی نہ ہوتی۔ میں تجھے اٹھا کر باہر پھینک دیتی۔“ وہ جل کر کہتیں اور میں ہنسنے لگتی کیونکہ اماں کی صرف باتیں ہی تھیں۔ میں صاف گو تھی۔ جھوٹ برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اسی لیے جو دل میں ہوتا کہہ دیتی اور اماں مجھے منہ پھٹ ہونے کا خطاب دے ڈالتیں۔ اماں کو بحث پسند نہ تھی اور میں ہمیشہ مدلل گفتگو کیا کرتی‘ جسے وہ زبان درازی پر محمول کرتیں۔

میں شوخ‘ زندہ دل اور ہنسوڑ لڑکی تھی‘ جبکہ اماں مجھے سنجیدہ‘ میچور اور خاموش طبع دیکھنا چاہتی تھیں۔ میں سخت کام چور تھی اور اماں جانی مجھے سگھڑاپے میں طاق کرنا چاہتی تھیں‘ مجھے میوزک سننے‘ کتابیں ناول پڑھنے کا شوق تھا اور اماں مجھے سلائی کڑھائی جیسے کاموں میں الجھانے لگتیں۔ نتیجہ حسب معمول حسب توقع جنگ کی صورت میں نکلتا اور اماں کی توپوں کا رخ میری جانب گولہ باری کرنے لگتا۔

اب بھی بات اتنی بڑی بھی نہ ہی قابل اعتراض۔ ہاں البتہ اماں جانی کے لیے ناپسند ضرور تھی مگر میرے لیے تو بہار نو کی نوید سنائی خوش رنگ وخوب صورت خبر تھی جسے صرف سوچ کر ہی مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی اور جو اگر وہ سب ہوجاتا تو کیا ہوتا اس سے آگے میں سوچ ہی نہ پاتی۔

علیزہ کی شادی کی ڈیٹ جیسے ہی فکس ہوئی انیقہ چچی نے مجھے فون کھڑکا ڈالا۔

”عزہ! میری جان! بس اب جلدی سے آجاؤ‘ تمہارے بغیر یہاں سب تیاریاں سب خوشیاں ادھوری ہیں اور بہت کمی محسوس ہورہی ہے تمہاری‘ بہت دل اداس ہے ہمارا‘ اس لیے پہلی فرصت میں ہمارے پاس پہنچو۔“ ان کا پیار بھرا‘ اصرار بھرا بلاوا سننا تھا اور اپنی شامت کو آواز دینا تھی۔ انیقہ چچی مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں بلکہ وہ کیا میں خاندان بھر کی لاڈلی ہوں اور جس کی ہونا چاہیے اس کی...... خیر چھوڑیے ہاں تو میں کہہ رہی تھی میں فٹ اماں کے پاس جا پہنچی۔ ابھی اماں نے آدھی خبر ہی سنی تھی کہ ہتھے سے اکھڑ گئیں اور پھر تو جو سنائی اللہ دے اور بندہ لے۔ سختی سے منع کردیا۔ ”تو کہیں نہیں جائے گی۔“ حکم صادر ہوا۔

”ہائے! مگر کیوں اماں‘ انیقہ چچی نے اتنے پیار سے بلایا ہے۔“

”بس کہہ دیا ناں نہیں جائے گی۔“

”مگر کوئی وجہ بھی تو ہو انکار کی‘ آپ خوامخواہ کیوں مجھے میرے اپنوں سے نہیں ملنے دیتیں۔ اتنے

عرصے بعد تو کوئی خوشی دیکھنی نصیب ہورہی ہے اور اس پر بھی آپ کے ہزاروں اعتراضات ہیں۔“ میں ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر بات منوانے کی کوشش کرتی۔ دو چار آنسو بھی ٹپکا لیتی تھی مگر اب کی بار یہ فارمولا بھی کوئی خاص کارگر ثابت نہ ہورہا تھا۔ میرے رونے میں اور شدت آگئی۔

”رو کیوں رہی ہے؟“ اماں پر سوچ انداز میں مجھے تکتے ہوئے بولیں۔

”اتنی بے بسی پر۔“ میں نے جل کر سوچا ضرور مگر کہہ نہ سکی۔

”کتنے دن ہیں شادی میں؟“

”پندرہ دن بعد کی تاریخ دی ہے انہوں نے۔“ میں آس و امید بھرے لہجے میں کہتی آنکھوں میں ایک مرتبہ پھر امید کے دیے جلا اٹھی۔

”ٹھیک ہے دو دن پہلے چلی جانا۔“ احسان عظیم کیا گیا۔

”مگر اماں انہوں نے ابھی بلایا ہے۔“ میں کمال ضبط کا مظاہرہ کرکے ایک مرتبہ پھر گوش گزار کرتی رہی کہ شاید پہلے اماں کو سننے میں غلطی ہوئی ہو اور وہ اب مان جائیں۔

”ابھی کیوں بلایا ہے جبکہ سب جانتے ہیں کہ تو کسی کام کی نہیں‘ ایک کپ چائے کا تجھے بنانا نہیں آتا‘ سوئی میں دھاگہ تو نہیں ڈال سکتی۔ چین سے رہنا تجھے نہیں آتا۔“ اماں ایک مرتبہ پھر میری خوبیاں انگلیوں پر گننے لگیں۔ اوہو اماں نے کس قدر میری کام چوری اور پھوہڑپن کے قصے مشہور کر رکھے تھے۔ میں جل ہو کر سوچتی رہی۔

”اماں پلیز ڈیڑھ سال ہوگیا ہے مجھے چچا میاں کے گھر گئے ہوئے‘ جب ان کی ساس کا انتقال ہوا تھا اور جب انہوں نے نیا گھر بنوایا تھا تب بھی مبارکباد دیئے آپ اکیلی چلی گئیں۔ مجھے نہیں لے کر گئیں مگر اب تو جانے دیں ناں۔ میری اکلوتی اتنی پیاری اچھی کزن کی پہلی شادی ہورہی ہے۔“ میں لاڈ سے ان کے گلے میں بازو ڈال کر کہتی یا پھر ان کے دونوں ہاتھ تھام لیتی اور ایسا صرف اس وقت ہوتا جب مجھے اپنی کوئی بہت ہی ضروری بات منوانا ہوتی۔ ورنہ اس سے پہلے تو اماں سے لاڈ پیار کے ایسے مظاہرے صرف جوتے پڑنے کی صورت ہی ہوتے لیکن میں بھی کمال چالاکی سے اماں کے ہاتھ پکڑ لیتی تاکہ اگر میرے منہ سے کچھ ایسا ویسا نکل بھی جائے تو کچھ بچت ہوجائے۔

”دیکھو عزہ‘ میری بچی‘ میں تیری دشمن نہیں ہوں گھر میں دل لگانا سیکھ‘ کل کو تجھے گھر بھی بسانا ہے۔ علیزہ تیرے ساتھ کی ہے اور اس کی شادی ہورہی ہے اور میری انا اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ تو شادی سے پندرہ دن پہلے جا کر ان کی ڈیوٹیاں سنبھالتی پھرے۔ کہہ دے ان سے کہ مصروفیت زیادہ ہے ابھی نہیں آسکتی۔“ اور میں اماں جانی کی باتیں سن کر حیران سی رہ گئی تو کیا مجھے سارے اس لیے بلاتے ہیں کہ میں ان کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہوں مگر بقول اماں کے میں تو کسی کام کی ہی نہیں اور کام تو انہوں نے مجھے کیا کروانے تھے الٹا میری خدمت کیا کرتے تھے وہ سب لوگ۔ اماں مجھے ان سے بدگمان کرنا چاہتی تھیں اور میں ان کی سادگی پر مسکرا اٹھتی‘ اب بھی اماں یہی کررہی تھیں۔

”آپ ہی تو کہتی ہیں اماں کہ میں کسی کام کی نہیں ہوں اور جب آپ ماں ہو کر کام خراب ہوجانے کے ڈر سے بمع لعن طعن مجھے کرنے سے روکتی ہیں تو بھلا کون اپنے برتن تڑوانا پسند کرے گا۔“ میں نے ذرا تیز آواز میں کہا اور پیر پٹختے ہوئے اپنے کمرے کی طرف

چلی دی اور اندر آ کر جانے کی تیاری کرنے لگی۔ میں اس وقت شدید غصے میں تھی۔ اماں ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھیں کبھی جو دل دکھا ہو کبھی جو آرام سے مان گئی ہوں۔ میں اس وقت سخت بدگمان ہو رہی تھی اماں سے۔ تبھی زرافے کی گردن والا زین میرے کمرے میں داخل ہوا اس کے لبوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ باہر سے ساری رام کہانی سن کر آیا ہے۔ میرے غصے میں مزید اضافہ ہو گیا۔ بحیثیت کزن زین میں کوئی خرابی نہیں تھی بلکہ کسی زمانے میں وہ میرا بہت اچھا دوست تھا۔ برا تو جب ہوا جب اس کی اماں نے میرے لیے زین کا پیغام دے دیا۔

جیسے ہی میں نے سنا ظاہر ہے مجھے انکار ہی کرنا تھا ناں سو کر دیا۔ حسب توقع اماں جوتے سمیت میرے سر پر پہنچ گئیں۔

''میں پوچھتی ہوں کیا برائی ہے زین میں؟'' تیوری چڑھا کر پوچھا گیا۔

''کوئی ایک برائی ہو تو کہوں بھی اماں''۔ میں نے لاپروائی سے کہہ کر دوبارہ ناول کھول لیا۔

''دیکھ عنزہ تجھے اس جیسا اچھا لڑکا چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔ ارے تجھی چاہت دیکھی بھی ہے خالہ کی، کتنی جان دیتی ہیں تم پر حالانکہ تو اس قابل ہے نہیں''۔

''کیسی اماں ہیں آپ؟ میں نے ناول میز پر پٹخا اور اٹھ کر ان کے سامنے آ گئی۔ ''آپ کو ہمیشہ میں ہی بری نظر آتی ہوں ہر قصور میرا ہی نظر آتا ہے ٹھیک ہے میں ہی بری ہوں تو پھر آپ کیسی بہن ہیں جو اپنی سگی بہن کو اپنی بگڑی ہوئی بیٹی کا رشتہ دے رہی ہیں تو کیا آپ یہ اچھا کر رہی ہیں''۔ اصل غصہ تو مجھے اماں کے تلخ تبصرے کو سن کر ہوا تھا۔ کیا میں واقعی اس قابل نہیں کہ کوئی مجھے پسند کرتا۔ میں عجیب سی احساس محرومی میں گھر گئی مگر یہ وقت جلنے کڑھنے کا نہیں تھا اپنا مقدمہ لڑنے کا تھا۔

''میں ایسا قطعی نہ کرتی اور نہ ہی میں ایسی خود غرض ہوں ارے وہ تو زین اور سلمیٰ کی خواہش پر ہی میں نے یہ فیصلہ کیا''۔ اماں تپ چکی تھیں۔ ''دنیا میں بہت کم اچھے لوگ ہوتے ہیں جو آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ تو سمجھ سلمیٰ اور زین بھی انہی میں سے ہیں جو تجھ سی پھوہڑ اور بد زبان کو قبول کر رہے ہیں''۔

''مجھے تو اماں ایسے نیک فرشتہ صفت لوگوں سے دور ہی رکھیے۔ میں اپنے ساتھ ان کو کیوں خراب کروں''۔ میں نے اماں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ پہلے تو اماں نے مجھے گھورا پھر آہستہ آواز میں بولیں۔

''آخر تجھے کیا برائی نظر آتی ہے زین میں؟'' اب آئی تھیں ناں اماں لائن پر۔ میں نے جڑے ہوئے ہاتھ اماں کے سامنے سے ہٹا لیے اور پیچھے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''پہلی بات تو یہ کہ میں نے ابھی شادی کے بارے میں سوچا نہیں دوسری بات یہ کہ جیسا لائف پارٹنر میں اپنے لیے چاہتی ہوں زین ویسا نہیں''۔ کمال شان بے نیازی سے کہہ کر میں اپنے ناخنوں کو دیکھنے لگی تھی۔

''تو کیسا چاہتی ہے؟ کیسا ہو وہ شہزادہ گلفام؟'' اماں نے بمشکل زبان اور غصے کو کنٹرول کرتے ہوئے نارمل لہجے میں پوچھا۔

''دولت مند ہو، خوبصورت ہو، بنگلے والا، کار والا''۔ میں آواز دبا کر بولی۔

''ارے تجھے خدا کی مار عنزہ! اگر تجھے عقل خدا نے دی ہوتی تو سوچتی ناں کہ چھوٹے گھر کی لڑکیوں

کے لیے بڑے گھر کے بر نہیں آتے' یہ سب ڈراموں' کہانیوں میں ہوتا ہے اور وہیں یہ اچھا بھی لگتا ہے۔ اور اگر تجھے اچھے شہر' اچھے گھر میں رہنے کا اتنا ہی شوق ہے' لمبی گاڑیوں میں گھومنے کا شوق ہے تو وہ سب تو تجھے زین بھی دے سکتا ہے' ماشاء اللہ سے اتنا کمار رہا ہے اور پھر کچھ عرصے بعد کمپنی اسے گھر اور گاڑی بھی دے دے گی نہیں تو خود بچت کر کے سمجھداری سے وہ سب بنا لینا جس کا تجھے شوق ہے"۔

"میں ہی کیوں اماں۔ نہیں ہوتی مجھ سے بچت وچت۔ پہلے ایک عمر میں اپنی خواہشوں کا گلہ گھونٹ کر سب کچھ اکٹھا کرو اور جب حسرتیں دم توڑ جائیں تو انہیں پورا کروں۔ نہیں اماں میں سسک سسک کر نہیں جی سکتی۔ بتا رہی ہوں میں آپ کو آگے آپ خود سمجھدار ہیں"۔

اور پھر جانے اماں نے خالہ اور زین کو کیا کہہ کر مطمئن کیا میں نہیں جانتی۔ ہاں البتہ بات آئی گئی ہوگئی اور نہ ہی اماں نے دوبارہ مجھ سے اس موضوع پر کوئی بات کی۔

دوسرے ہی ہفتے جب چچا میاں مجھے خود لینے کے لیے آئے تو اماں کو ناچار مجھے ان کے ساتھ رخصت کرنا ہی پڑا مگر جاتے وقت بھی نصیحتوں کا پلندہ وہ میرے ساتھ رکھنا نہ بھولیں۔

"دیکھ احتیاط سے چلنا' دوپٹہ اوڑھے رکھنا' کسی سے یونہی بے تکلف نہ ہونا' سوچ سمجھ کر بولنا' زیادہ باہر مت جانا' وقت پر کھانا اور وقت پر سونا وغیرہ وغیرہ"۔ میں انتہائی فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتی جھکے سر کے ساتھ جی اماں کی تکرار کیے جا رہی تھی۔ یہ بھی ضروری تھا اگر نہ کرتی تو اماں کان سے پکڑ کر بٹھا لیتیں اور کبھی نہ جانے دیتیں۔

میں چچا میاں کے ساتھ ان کے گھر پہنچ گئی۔ توقع سے زیادہ گرمجوشی سے میرا استقبال کیا گیا تھا۔ علیزہ' عبیرہ اور آنٹی تو جیسے بچھی جا رہی تھیں۔ میرے آگے یوں جیسے میں کسی سلطنت کی شہزادی' عزت' ایمان' فروا وغیرہ بھی اسی شام آ گئیں اور شادی کا ہنگامہ جاگ اٹھا۔

"دیکھا میں نہ کہتی تھی عنزہ کے آتے ہی یہ شادی والا گھر لگنے لگے گا۔ اصل رونق تو اسی سے ہوتی ہے۔" لیقہ چچی مجھے پیار سے خود سے چمٹا کر بولیں تو ایک سرشاری سی میرے رگ و پے میں دوڑ گئی۔

اپنی نگرانی میں علیزہ کے جہیز کا سامان پہنچوایا۔ اماں کی قید سے نکلتے ہی رب جانے میں اتنی سمجھدار کیسے ہو جاتی تھی۔ مایوں والے دن سارے مہمان بھی آ گئے اور شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ اب صحیح معنوں میں میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے کیونکہ مہمان پہنچ چکے تھے اور میں سر جھاڑ منہ پھاڑ بنی پھر رہی تھی۔ اف ایک تو کام کے دوران پارلر جانے کا یاد ہی نہیں رہا۔ کس سے کہوں دل ہی دل میں سوچتی میں کچن سے ملحقہ بیڈ روم میں جا پہنچی۔ خاندانی ماموں کے پاس۔ زندہ دل' جولی فیلو ماموں جو سب کے ماموں تھے بڑے چھوٹے کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔

"ماموں مجھے پارلر جانا ہے"۔ دروازہ دھڑ سے کھولتے ہی بغیر ادھر ادھر دیکھے میں ماموں سے مخاطب ہوئی تھی۔

"ہاں تو جاؤ بیٹا میں نے کب روکا ہے"۔ ماموں نے قدرے لاپروائی سے کہا۔ مزاح کا ٹچ دے کر جواں کی طبیعت کا ایک خاصہ تھا بلکہ سنہری پہلو تھا۔

"اوہو ماموں یہی تو اصل مسئلہ ہے"۔ میں نے الجھ کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جاؤں کس کے ساتھ؟" میں ان سے باتیں کرتے جیسے ہی مڑ کر کمرے کے وسط میں پہنچی سامنے ہی ایک خوبرو اونچے لمبے مرد کو دیکھ کر ٹھٹکی کیونکہ میں نے اسے پہلے ہرگز نہیں دیکھا تھا۔ شاید چند سیکنڈز پہلے تو میں اندر داخل ہوئی تھی اور تب تک میں دروازے پر ہی کھڑی رہی تھی۔ میں نے اس نوجوان کی طرف دیکھا جو میری ہی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ میں شرمندہ سی ہوگئی جانے کیوں؟

"ابتسام' عمیر کسی سے کہہ دو وہ لے جائے گا" ماموں نے مجھے ایک اور راہ دکھائی۔

"ان میں سے تو کوئی بھی گھر پر نہیں ہے میں سب کو دیکھ کر ہی آپ کے پاس آئی ہوں"۔ میں نے قدرے سنبھل کر جواب دیا اور اس اجنبی کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

"تمہیں کتنی دیر لگے گی؟" انہوں نے پوچھا۔

"ایک سے ڈیڑھ گھنٹہ"۔ میں نے جواب دیا اور ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"اب کیا کروں ماموں؟" میں نے ناسمجھی سے کہا۔

"صبر کرو بیٹا اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" ماموں کے جواب نے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔ "اتنی دیر سے وہی تو کر رہی ہوں میں"۔

"ارے شہروز بھیا آپ کب آئے؟" وہ خوشدلی سے بولے۔ وہی نوجوان کھڑا تھا۔

"کافی دیر ہوگئی"۔

"عنزہ!" وہ اچانک مجھ سے مخاطب ہوئے۔

"جی ماموں"۔ میں نے ناسمجھی سے کہا۔

"دوا انسان کے بس میں ہوتی ہے وہ کر لیتا ہے لیکن دعا اپنے علاوہ دوسروں کی بھی چاہیے ہوتی ہے۔ ہے ناں؟" سوالیہ انداز میں وہ ایک مرتبہ پھر مجھ سے مخاطب ہوئے۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں میں بات کی تہہ تک پہنچی تھی۔

"جی ماموں بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ"۔ اب کی بار میرے لہجے میں خاصی کھنک تھی۔

"اور وہ کیسے حاصل کی جاتی ہیں؟" سوال ایک مرتبہ پھر ہوا۔

"دوسروں کے کام آ کر ان کی مدد کر کے انہیں مشکل سے نکالنے میں مدد کرنے سے ماموں جان"۔ میں نے سرشار لہجے میں جواب دیا۔ وہ اجنبی بڑی گہری پرشوق نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

پارلر سے ہمیں آنے میں خاصی دیر ہو چکی تھی۔ علیزہ کے سسرال والے رسم کرنے پہنچ چکے تھے۔ باقی مہمان بھی تیار خوش گپیوں میں مصروف تھے یعنی فنکشن اسٹارٹ ہو چکا تھا۔

"کہاں رہ گئی تھیں عنزہ! اتنی دیر لگا دی!" میں جیسے ہی اندر داخل ہوئی علیزہ نے فکرمندی سے پوچھا تمام کزنز اس کے کمرے میں جمع تھیں۔ فروا' زندگی اور عزت پیلے جوڑے میں پھولوں کا زیور پہنے خوبصورت سی علیزہ کو چوڑیاں پہنا رہی تھیں۔ سبز اور پیلے رنگ کی چوڑیاں اس کے مہندی لگے بازوؤں میں بہت بھلی لگ رہی تھی۔

"ہائے کتنی خوبصورت لگ رہی ہو عنزہ۔ اتنا زبردست چینج"۔

میں مسکرا دی۔ یہ فاخرہ تھی۔ سدا کی فیشن کی دلدادہ۔ "رئیلی آئی کانٹ بلیو اٹ۔ کون سے پارلر سے آ رہی ہو تم؟"

"ارے وہ تو شروع سے ہی بہت پیاری ہے جو بھی پہن لے جو بھی ہیئر کٹ لے سج جاتا ہے"۔ علیزہ نے پیار بھری نظروں سے مجھے تکتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب جلدی سے کپڑے کھینچ کر لو عنزہ پھر ہی میں باہر اسٹیج پر جاؤں گی اور وہاں تمہارے پاس پاس رہنا تمہارے ہاتھ پر خود مہندی لگاؤں گی تا کہ جلد سے جلد چھپی تمہیں بھی کسی کھونٹے سے باندھیں"۔ علیزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بڑا بے نام سا درد دل میں اٹھا تھا۔ اک بے نام سی کیفیت جسے میں کوئی نام نہ دے سکی اور پھر مایوں اور مہندی فنکشن بڑے اچھے طریقے سے گزرا۔ ڈھیروں شرارتیں اور حماقتیں کرتے ہوئے جب علیزہ کے سسرال والے چلے گئے تو ہم سب کزنز نے ڈرائنگ روم میں اپنے تمام رشتہ داروں کو اکٹھا کر کے محفل موسیقی کا انتظام کیا جس میں سب نے اپنی اپنی پسند کے گانے گائے۔ جانے کیوں جب میری باری آئی تو بجائے اس کے کہ میں شوخ وشنگ اپنی پسند وعادت کے مطابق گانا سناتی (جیسے پچھلے پانچ چھ دنوں سے ڈھولک پر گا رہی تھی) نہ سنا سکی سو میں نے معذرت کر لی۔

"یہ کیا بات ہوئی عنزہ کہ تم شادی میں شریک ہو اور گانا نہ سناؤ بھئی گانا تو گانا پڑے گا۔ سب یکے بعد دیگرے اصرار کرنے لگے اور میں اس بے نام درد کی کیفیت کو سمجھتے سمجھتے دھیرے سے سر جھکا کر "اے جذبہ دل گر میں چاہوں" گانے لگی۔ ماحول پر ایک سحر سا طاری تھا اور میں اس فسوں میں ڈوبنے لگی تھی۔ عجیب بے بسی میں گھری جب گانا ختم ہوا تو میری آنکھیں اس بے نام سے درد پر نوحہ کناں تھیں۔

اظہار آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے بہنے لگا تھا۔ میں چپکے سے اٹھی اور سی ڈی پلیئر کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ایسا تو میں نے کبھی نہ چاہا تھا۔ اس بے نام درد کے بارے میں تو کبھی سوچا ہی نہ تھا۔

"یہ پانی پی لیں عنزہ!" میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ شہروز ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ میں نے فوراً نگاہیں جھکا لیں مبادا وہ میری نگاہوں کی تحریر نہ پڑھ لے اور چپکے سے جھکے سر سے گلاس کو تھام لیا۔

"ارے تم ابھی تک یہیں بیٹھی ہو چلو آؤ ڈانس کرتے ہیں۔ زندگی بڑے جوش سے آگے بڑھی۔ میں اپنی اس وقتی کیفیت پر قابو پا چلی تھی۔ فوراً اپنی پرانی جون میں لوٹ آئی۔ "وائے ناٹ شیور"۔ کہتے ساتھ ہی میں اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر اپنے اندر کے شور کو کم کرنے کے لیے میں نے خود کو باہر کے شور میں اس قدر مگن کر لیا کہ ہر احساس سے عاری ہو گئی۔ ہم سب لڑکے لڑکیوں نے مل کر ڈانس کیا تھا۔ راول ابتسام بھائی ماموں فرد اور ایمان اب مل کر ڈانس کر رہے تھے اور سب ہی بہت اچھا کر رہے تھے۔ میں واپس اپنی چیئر پر آ بیٹھی جبھی زندگی میرے پاس آئی۔ دل تو میرا چاہتا تھا کہ اسے زندگی کے بجائے حاجرہ کہہ کر بلاؤں کیونکہ یہ نام اس کے ڈھائی سو پاؤنڈ کے سراپے پر خوب جچتا تھا لیکن مجبور تھی۔ یہی حال عزت کا تھا۔ لہٰذا اپنے دل کی حسرت کو میں ان کی غیر موجودگی میں ان دونوں کو حاجرہ اور ستو کہہ کر پورا کرتی۔ کیونکہ میرا اپنا ایک ذاتی قول ہے کہ جو آپ کے بس میں ہے اسے فوراً پورا کر لو کہیں کوئی تشنگی نہ رہ جائے۔

"سنو عنزہ! اس کے بعد پلیز اسد امانت علی کی ٹھمری پلے کرنا اس نے مجھے ایک سی ڈی تھماتے ہوئے کہا۔ میں جہاں آج کل کلاسز لے رہی ہوں ناں کلاسیکل رقص کی وہاں اس پر مجھے انعام ملا تھا اور میں ہونق اسے جاتا دیکھتی رہی اور تصور کرتی رہی کہ کلاسیکل رقص سیکھنے کے بجائے ورزش کیوں نہیں کرتی۔ کم از کم ڈھائی سو پاؤنڈ میں سے کچھ تو کم ہوں گے۔ میرا دل چاہا کہ میں کوئی فاسٹ راکنگ نمبر لیے

کروں کہ کچھ دیر تو یہ جسم ہلائے کیونکہ حرکت میں برکت ہے۔ ہلے گی تو چربی بھی گھلے گی ناں۔ میں نے ڈسک اٹھائی اور واپس رکھ لی۔ "برا مان جائے گی"۔ میں نے سوچا اور ڈسک ڈال دی۔

"ناؤ گائز زندگی ہمارے سامنے کلاسیکل موسیقی کا اچھوتا شاہکار پیش کریں گی۔ آپ سب خواتین و حضرات سے التماس ہے کہ اپنی اپنی نشست سنبھال لیں اور سیٹ بیلٹس باندھ لیں۔ ابتسام نے اعلانیہ جیسے ہی کہا سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اب بڑا عجیب سا منظر تھا۔ پورے ماحول پر سکوت طاری تھا۔ زندگی عرف حاجرہ کمرے کے وسط میں کھڑی ایک ٹانگ اٹھائے آنکھیں بند کیے دونوں بازو ہوا میں لہرائے ٹھمری کے شروع ہونے کے انتظار میں تھیں۔ میں نے اس کی شروعات دیکھتے ہی سی ڈی پلیئر کا بٹن دبا دیا۔ تھوڑی دیر بعد سب کا ہنس ہنس کا برا حال تھا جبکہ زندگی خفت سے بے حال اور میں حیرانی سے کیونکہ میں نے ٹھمری والی ڈسک ہی لگائی تھی لیکن جب وہ چلی تو بجائے گھنگھروؤں کی جھنکار کے آصف شہزادہ کا کملی نال لا اکھیاں پلے ہوا تھا۔ جیسے ہی میوزک پلے ہوا زندگی کے بازوؤں نے ہوا میں رقص کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں مطمئن سی ہو کر دیکھنے لگی تھی لیکن تھوڑی دیر بعد جب کملی نال لا اکھیاں پلے ہوا تو میرے ہاتھوں کے طوطے صحیح معنوں میں اڑے تھے۔ میں نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ زندگی مجھے گھور رہی تھی۔ میں نے بے اختیار اپنے بائیں جانب دیکھا شہروز مجھ سے کہہ رہا تھا۔

"جو آپ نہ کر سکیں وہ میں نے کر دیا۔ جو آپ کے بس میں ہو اسے کر لینا چاہیے کوئی حرج نہیں"۔ اچھا تو اس نے ڈسک تبدیل کی تھی اور اس نے یقیناً مجھے دیکھ بھی لیا تھا۔

"بھئی اس سے پہلے اتنی عمدہ ٹھمری میں نہ سن سکا۔ زندگی تمہارے توسط سے وہ بھی آج سن لی"۔ میں نے دیکھا ماموں ہنس کر زندگی سے کہہ رہے تھے

"یہ استاد امانت علی صاحب نے مرنے سے کتنے دن پہلے ریکارڈ کروائی تھی۔ بھئی واہ بہت خوب مزہ آ گیا"۔ زندگی اب مجھے گھور رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ میری خیر نہیں۔ سو میں جھٹ پٹ شہروز کو گھورتی ماموں کے پیچھے ہولی جو کچن کی جانب جا رہے تھے۔

"ماموں پلیز! ایک کپ مجھے بھی"۔ میں جیسے ہی اندر داخل ہوئی ماموں کو اپنے لیے چائے بناتے دیکھا تو کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"تم ایسا کرو بھانجی کہ یہ ساس پین پکڑو فریج سے دودھ نکالو اور اسے چولہے پر رکھ دو باقی چیزیں میں نے ڈال لی ہیں۔ میں تب تک انڈے بوائلر میں ڈال دوں"۔ پین پکڑاتے ہوئے وہ فریج کی جانب بڑھ گئے۔ میں نے چائے چڑھا دی اور ماموں نے انڈے بوائلر میں ڈالے پھر ایک پلیٹ میں بسکٹ نکال کر کچن میں موجود ڈائننگ ٹیبل پر رکھنے لگے۔

"یہ تین کپ کس لیے ہم تو دو لوگ ہیں ماموں جان!"

"یہ تیسرا کپ شہروز کے لیے"۔ ماموں کا جواب سن کر مجھے کچھ دیر پہلے کی جانے والی حرکت یاد آ گئی۔ 'بدتمیز' میں زیر لب بڑبڑائی۔

"تمہیں شہروز کیسا لگا؟" انہوں نے پوچھا۔

"اچھا ہے"۔

"صرف اچھا؟" بے حد اچنبھا سا سوال پوچھا گیا۔

"اگر تھوڑی دیر پہلے والی حرکت نہ کی ہوتی اس نے تو میں اسے شاید کافی سے زیادہ اچھا کہتی مگر اب

سوری صرف اچھا کیونکہ زندگی مجھ پر بگڑے گی"۔

"صرف اتنی سی بات پر بدگمانی عنزہ بچے؟"

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے ماموں"۔ میں بھی دوبدو بولی۔

"شہروز سے میں نے ہی کہا تھا حالانکہ وہ مان نہیں رہا تھا"۔ ماموں نے نیا انکشاف کیا اور میری ہنسی چھوٹ گئی۔

"اب بتاؤ کیسا لگا وہ تمہیں؟"

"بہت زیادہ سے بھی اچھا ماموں"۔ میں مسکرا کر بولی۔

"کنوارہ ہے وہ۔" ماموں جانے کیوں مجھے اتنی انفارمیشن دے رہے تھے۔

"جانتی ہوں۔ اپنی مرضی سے نہیں رہا اب تک بس نصیب ہی نہیں کھلے بے چارے کے"۔ میں نے بے رحمی سے تبصرہ کیا۔

"نہیں اسے اس کا رائٹ میچ نہیں ملا تھا اب تک"۔ ماموں نے اس کی وکالت کی۔

"چھوڑیں ناں ماموں یہ سب بندہ اس وقت کہتا ہے جب نصیب نہ کھلیں۔ اچھا رشتہ نہ ملے۔ اگر اس کے نصیبوں میں ہوتی نہ شادی تو میں دیکھتی کہ کیسے رائٹ میچ تلاش کرتا ہے"۔ میں نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

"تم کبھی کبھار اتنی تلخ کیوں ہو جاتی ہو عنزہ؟" ماموں نے پوچھا اور مجھے سانپ سونگھ گیا۔

"سوری! مجھے واقعی کوئی حق نہیں پہنچتا کسی کے بارے میں ایسی رائے دینے کا"۔ میں فوراً سنبھل گئی۔

"ایسا کب تک چلے گا عنزہ! کیوں خود سے بھاگ رہی ہو؟" میں ساکت نظروں سے یک ٹک بس ماموں کو دیکھ رہی تھی۔ ماموں لمحہ بہ لمحہ میری بدلتی کیفیت سے آشنا تھے لیکن مجھے اپنی حالت کو خود سے بھی چھپانا تھا، جبھی بولی تو آواز خاصی دھیمی تھی اپنی ہار تسلیم کرتی ہوئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے ماموں جان"۔ میں بمشکل بول پائی نگاہیں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔

"تو پھر یہ گریز کیوں؟" ماموں تو آج جرح پر اتر آئے تھے۔

"کیسا گریز؟"

"تم سب سے چھپ سکتی ہو عنزہ مگر مجھ سے نہیں کیونکہ میں تمہیں تم سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔ اس لیے بیٹا ہمیشہ کی طرح اب بھی مجھ سے سب کہہ دو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور شاید میں کچھ تمہاری مدد بھی کر سکوں"۔ وہ نرم لہجے میں کہتے مجھے پہلے سے زیادہ کمزور کر گئے اور میں ہار گئی۔ زین والا معاملہ اور اماں سمیت اپنے تمام خواب تمام امنگوں اور منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی خواہش تک سب بیان کر دیا۔

"اس کا کوئی حل؟" ماموں نے استفہامیہ نگاہیں میرے چہرے پر گاڑھ دیں۔

"کم از کم میرے پاس تو نہیں ہے لیکن یہ بات تو طے ہے ماموں جان کہ اماں جو مرضی کہیں لیکن میں زین سے شادی نہیں کروں گی"۔

"اس گریز کی وجہ؟" ماموں نے استفسار کیا۔

"کوئی نہیں ہے۔ لیکن اگر ہوتا بھی تب بھی زین کہیں نہ ہوتا"۔ میں نے ہٹ دھرمی سے کہا اور ماموں کی طرف دیکھنے لگی جو پُرسوچ نگاہوں سے مجھے ہی تک رہے تھے۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں تمہارا رائٹ میچ مل گیا"۔ ماموں کافی دیر بعد بولے تھے۔ میرے قدموں سے زمین سرک گئی تھی اور میں خود خلا میں

معلق ہاتھ پاؤں مار رہی تھی ماموں کی ہر منطق نرالی تھی۔ ابھی بھی وہ اپنے طریقے سے مجھ سے اصل بات اگلوانا چاہ رہے تھے۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ماموں جان ایسا کچھ نہیں ہے"۔ میں نے جھنجھلا کر کہا۔

"تمہیں پتہ ہے عنزہ مجھے غلط فہمی نہیں ہوتی"۔

میں عجیب الجھن میں گرفتار تھی۔ جس احساس سے میں ابھی چند لمحے پہلے آشنا ہوئی تھی اسے کیسے کوئی واضح نام دے ڈالتی بغیر کسی ثبوت کے۔

"تمہارے دماغ میں جو کھچڑی پک رہی ہے عنزہ کیا اس سے شہروز واقف ہے؟" اچانک انہوں نے میرے سر پر بم پھوڑا تھا جس نے میری ذات کے پرخچے اڑا دیئے اور میں خود کو سمیٹ بھی نہ سکی۔

"کک...... کیا مطلب ماموں جی؟"

"میں نے کہا تھا ناں تم مجھ سے نہیں چھپ سکتیں"۔ اور میں ہار گئی زین سے شہروز تک کا سفر کیسے چند لمحوں میں کیا' ماموں کو سب بتاتی چلی گئی۔ میری حالت اس مسافر کی سی تھی جو دشت میں ننگے پیر چلتا ویران وخشک گرم لو کے تھپیڑے کھاتا ایک انجان بے سمت منزل کی طرف سفر کر رہا ہو۔ اس یقین کے بغیر کہ منزل ملے گی یا نہیں؟

"میں شہروز سے بات کروں؟" ماموں نے نیا آئیڈیا پیش کیا اور میں تڑک اٹھی کیونکہ میری انا مجھے اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ بھیک مانگتی اور بھلا کبھی محبت کی بھیک بھی مانگی جاتی ہے۔

"مجھے مجھ سے زیادہ جاننے کے باوجود آپ یہ بات بھول رہے ہیں کہ میں انسانوں سے نہیں مانگتی"۔

"کبھی کبھار حالات سازگار بنانے کے لیے خود کو جھکانا بھی پڑتا ہے بیٹا"۔ ماموں نے مجھے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

اپنی خودی اور نسوانیت کے وقار کو بلند رکھنے کے لیے ٹوٹ جانا ہار جانے اور جھکنے سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔ "آپ ہی تو کہتے ہیں ماموں اور آپ ہی یہ بات بھول رہے ہیں"۔ میں نے ان کی ہی کہی بات انہیں یاد دلائی تھی۔ تبھی وہ دھیرے سے مسکرا دیئے تھے۔

"مجھے تم پر فخر ہے عنزہ' تم واقعی بہت عظیم ہو"۔ ماموں نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا کر میرا سر تھپتھپایا۔ ماموں مجھے آزما رہے تھے صد شکر کہ میں سرخرو ہوئی تھی۔ میری خودی کا بھرم سلامت تھا۔

"اگر ماموں بھانجی کا پیار ختم ہو گیا ہو تو کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟" کچن کے دروازے میں شہروز کسی فریم میں جڑی تصویر کی مانند ایستادہ تھا۔ ماموں اس کو دیکھ کر مسکرا کر بولے۔

"جی جناب! آپ ہی کو یاد کر رہے تھے ابھی۔ عنزہ کہہ رہی تھی کہ شہروز کو......" ماموں نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا اور میں اس غلط بیانی پر سٹپٹا گئی۔

"مجھ ناچیز کو آپ یاد فرما رہی تھیں عنزہ جی"۔ وہ قدرے شوخ لہجے میں کہتا میری جانب جھکتے ہوئے بولا۔

میری ہتھیلیاں پانی سے بھیگ گئیں۔ رب جانے اس نے ہماری ساری گفتگو سنی تھی یا وہ ابھی آیا تھا۔ اگر سن لی تھی تو؟ اس سے زیادہ میں سوچ ہی نہ پائی۔

"جج...... جی وہ چائے ٹھنڈی ہو رہی تھی تو میں نے سوچا کہ آپ کو بلا لوں"۔ بے بسی کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے میں نے بمشکل ہکلاتے ہوئے وضاحت پیش کی تھی۔

"ہاں چائے پیو شہروز اور پی کر بتاؤ کہ کیسی بنی ہے

اپنی عنزہ نے بنائی ہے"۔ ماموں نے میری حالت کے پیش نظر بات آگے بڑھائی تھی اور خود بے حد غور سے شہروز کا چہرہ اس کا رویہ اور میری حالت کو بڑی گہری نظروں سے آبزرو کر رہے تھے۔

"واہ عنزہ جی! واقعی چائے بہت اچھی بنی ہے آپ کا دعویٰ بجا تھا"۔

"مگر میں نے تو کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا"۔ میں ناسمجھی سے بولی تھی میں حقیقتاً نہیں سمجھی تھی۔

"یہ ضروری نہیں ہوتا کہ سب کچھ زبان سے کہہ دیا جائے عنزہ بی بی! کبھی کبھار آنکھیں بھی کافی کچھ کہہ دینے میں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہیں بشرطیکہ کوئی سمجھے تو"۔ وہ ہولے سے گنگنایا اور میرے سر سے گزر گئی کہ وہ کیا اور کیوں کہہ رہا ہے۔

"آنکھوں کی تحریر پائیدار نہیں ہوتی شہروز اور پائیدار باتیں زبان سے کی جائیں تو زیادہ اچھی اور سود مند ہوتی ہیں"۔ جانے کیسے بے دھیانی میں میرے منہ سے یہ بات نکل گئی۔ میں شرمندہ تو وہ خاصا محظوظ تھا اور ماموں تو باقاعدہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

"یہ عنزہ ہے بھتیجے۔ اسے جتنا لاجواب کرنے کی کوشش کرو گے اتنا ہی الجھو گے"۔ ماموں نے اسے عام سے لفظوں میں بہت کچھ جتلایا تھا۔

"کیوں ماموں کیا ان کا جال مکڑی کے جال سے بھی زیادہ باریک اور پُرپیچ ہے؟"

"نہیں! نرم مگر بے حد صاف شفاف ان دیکھی زنجیروں والا"۔ ماموں اور وہ جانے کیسی کیسی باتیں کر رہے تھے۔ میرے سر پر سے گزرنے لگی تھیں اور میں اٹھ کر کچن سے باہر آ گئی۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ کسی نے بھی مجھے روکا نہیں تھا۔

اگلے دن کا آغاز کافی سرگرمیاں لیے میرا منتظر تھا۔ دن بارہ بجے کے قریب جیسے ہی میں اٹھی علیزہ اور عبیرہ پارلر جانے کو تقریباً تیار کھڑی تھیں صرف میرے جاگنے کی دیر تھی۔

"اٹھو جلدی سے تیار ہو جاؤ عنزہ اور میرے ساتھ ہی چلو تمہارے شام کو پہننے والے کپڑے بھی میں نے اٹھا لیے ہیں بس اب تمہاری دیر ہے۔ علیزہ مجھے دیکھتی ہی زور و شور سے شروع ہو چکی تھی۔ کتنا خیال تھا اسے میرا مہندی لگے ہاتھوں سے بھی وہ میرے کام سمیٹ رہی تھی۔ حالانکہ آج اس گھر میں اس کا آخری دن تھا اور بے فکری کی زندگی کا بھی۔ کیونکہ کل سے اس نے ایک نئی زندگی شروع کرنی تھی۔ کچے مگر بے حد مضبوط دھاگوں سے جڑا ایک نہایت خوبصورت رشتہ ایک خوبصورت رنگین نرم بوجھل جذبات رکھنے والے ہمسفر کے ہمراہ زندگی کے پُرپیچ اور خاردار راستوں پر محو سفر ہو کر منزل تک پہنچنا تھا۔

میری آنکھیں بھیگنے لگیں اور دل بے اختیار علیزہ کے لیے محو دعا ہو گیا جب وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو میں فریش ہو کر بالوں میں برش کر رہی تھی۔

"تمہارے لیے مسرت چچی کا بلاوا آیا ہے عنزہ' ان کی بھی بات سن لینا"۔ وہ مجھے ہدایات دیتی ایک مرتبہ پھر کہیں گم ہو گئی اور میں کچن میں آ گئی جہاں انیقہ چچی سب کے لیے اپنی نگرانی میں ناشتہ تیار کروا رہی تھیں۔

"ایک کپ چائے انیقہ چچی بھجوا دیں پلیز"۔

"ہرگز نہیں! خالی پیٹ میں تمہیں چائے ہرگز نہیں پینے دوں گی۔ فل ناشتہ کرو"۔ انیقہ چچی کو میرا ناشتے میں صرف چائے لینا سخت زہر لگتا تھا جبھی پیار سے گھرکتے ہوئے بولی تھیں۔

"دیر ہو جائے گی چچی ابھی پارلر بھی جانا ہے"۔ میں منمنائی۔

''کوئی بات نہیں پہلے ناشتہ بعد میں کچھ اور''۔ انہوں نے دو سلائس اور ہاف فرائی انڈہ پلیٹ میں رکھ کر مجھے پکڑاتے ہوئے کہا۔ میں ناشتہ لے کر مسرت چچی کے کمرے میں آ گئی۔

''السلام علیکم چچی جان!''

''جیتی رہو میری بچی''۔ انہوں نے میرا ماتھا چوما۔

''آج شام کو کیا پہن رہی ہو عنزہ؟'' چچی نے اچانک پوچھا ساتھ میں کپڑے بھی تہہ کرتی رہیں۔

''کرتا شلوار پنک دوپٹے والا''۔ میں نے مختصراً کہا۔

''نہیں تم آج ساڑھی باندھو گی''۔

''ساڑھی مگر چچی میرے پاس تو کوئی ساڑھی نہیں''۔

''میں لائی ہوں تمہارے لیے یہ دیکھو......'' چچی نے میرون رنگ کی ساڑھی جس کے بلاؤز پر اچھا خاصا کام تھا اٹھا کر مجھے دکھائی۔ ساڑھی واقعی بے حد خوبصورت تھی۔

''مگر میں نے کبھی بھی نہیں پہنی''۔ میں نے ہلکا سا احتجاج اپنا حق سمجھا۔

''کوئی بات نہیں آج پہن لو دیکھنا سب میں منفرد اور پیاری نظر آؤ گی۔ میرا دعویٰ ہے''۔ مسرت چچی نے جوش سے کہا۔

''لیکن چچی! ماں کو برا لگے گا۔ انہیں ایسے لباس پسند نہیں کیونکہ وہ کہتی ہیں کہ یہ ہندوؤں کا لباس ہے''۔

''تو کیا ہوا! ہے تو باپردہ لباس نا!'' مسرت چچی کی اپنی سوچ تھی۔ ''تم بس اسے اٹھاؤ اور پارلر جاتے وقت اس کے ساتھ کی میچنگ جیولری لے لینا آج شام تمہیں سب سے زیادہ اچھا نظر آنا ہے''۔

''زبردستی ہے کیا؟'' میں پیار بھری دھونس پر مسکرا اٹھی۔

''بہت زیادہ''۔ مسرت چچی بھی ہنس دی تھیں۔ میں اٹھ کر باہر آ گئی۔

❁ ❁ ❁

علیزہ عبیرہ کے ہمراہ میں جیسے ہی پورچ میں داخل ہوئی شہروز ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولے ہمارا ہی منتظر تھا۔ اُف جانے اس شخص کے ساتھ کیا مسئلہ تھا، تو وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا تھا یا واقعی میں اسے یوں نیک، ہمدرد فرشتہ بننے کا شوق تھا۔ ہر جگہ، ہمہ وقت باوردی ڈرائیور کی خدمات پیش کرنے کو پیش پیش۔

علیزہ اور عبیرہ پہلے ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھیں جبکہ میرے لیے شہروز نے فرنٹ سیٹ کا ڈور کھولا تھا۔ میں کشمکش میں گھری یہ سوچنے کی کوشش کر رہی تھی آیا مجھے علیزہ عبیرہ کے ہوتے ہوئے اگلی سیٹ پر بیٹھنا چاہیے یا نہیں۔

''عبیرہ آپ آگے بیٹھ جاؤ''۔ میں نے پچھلی نشست پر براجمان عبیرہ سے کہا۔

''تم بیٹھ جاؤ ناں۔ میں اب بیٹھ چکی ہوں''۔ ٹھنک کر بولی۔

''پلیز علیزہ''۔ میں نے التجائیہ کہا تبھی شاید میری پوزیشن سمجھتے ہوئے وہ پچھلی نشست سے اٹھ کر آگے جا بیٹھی۔ جبھی میں آگے بڑھی۔ دفعتاً شہروز کی شکوہ بھری گھمبیر آواز نے میرے قدموں میں بیڑیاں ڈالی تھیں۔

''میں اتنا بے اعتبار ہرگز نہیں تھا عنزہ''۔ میں کی ان سنی کر کے جلدی سے بیٹھ گئی۔ مگر اس نے اسی بات پر اینڈ نہیں کیا تھا بلکہ تمام راستے مختلف طریقوں سے مجھے زچ کرتا آیا تھا۔ میں خود سے لڑتے لڑتے تھک گئی تھی اب اس نئے محاذ کا مقابلہ کیسے کرتی۔

شاید نہیں یقیناً شہروز کو میری احتیاط پر بدگمانی ہوئی تھی کہ وہ خود پر سے اپنا اعتبار کھونے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مچلتا شکوہ میری بے اعتباری پر نوحہ کناں تھا۔

اب ضبط کا یارانہ رہا تھا مگر میں چھلکی نہیں تھی، میں مضبوط نہیں تھی مگر مجھے خود کو مضبوط ظاہر کرنا تھا میں بہت کچھ سمجھ رہی تھی مگر مجھے انجان بننا تھا کیونکہ اسی میں میری انا اور نسوانی وقار کی بقا تھی۔ شہروز کی نظریں بھٹک بھٹک کر میرے ہی چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور میرا وجود ان نگاہوں کی تپش کو محسوس کر کے دہکنے لگا تھا۔ مگر مجھے خود کو سنبھالنا تھا۔ اسی لیے لاتعلقی سے کھڑکی سے باہر سڑک پر بھاگتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔

نینا نے جلدی کرنے کے باوجود بھی علیزہ کو چار سے پانچ گھنٹوں میں تیار کیا تھا اور اس عرصے میں میں اور عبیرہ ہونقوں کی طرح بھٹکی روح بنے سارے پارلر میں چکراتی پھر رہی تھیں۔ کافی دیر بعد میری باری آئی تھی۔ لائٹ پارٹی میک اپ نے میرے تیکھے نقوش کو مزید جلا بخشی تھی۔ نینا کہتی تھی۔ "خوبصورت تو تم قدرتی ہو عنزہ بس تمہارے حسن کو تھوڑا انکھارنے کی دیر ہے۔ اگر نیت صاف رکھو اور خود پر رحم کرو کبھی کبھار پارلر کا ایک چکر لگا لیا کرو افاقہ ہوگا"۔ میں نینا کی پیار بھری ڈانٹ سن کر ہنستی رہ جاتی۔

اور پھر واقعی میں مسرت چچی کا دعویٰ اور نینا کے ہاتھوں کے جادو نے واقعی کمال کر دکھایا۔ تمام فنکشن میں میری طرف تعریفی کلمات اور توصیفی نظروں کی بارش برستی رہی تھی جس میں میں نے بارہا خود کو بھیگتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ جانے کتنی ہی توصیفی نظریں بھٹک بھٹک کر میرے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ ساڑھی میں میرا المباقد اور مناسب سراپا اور دراز ہو گیا تھا۔ شہروز کی متلاشی بے چین نگاہیں مجھے ارد گرد ہی ڈھونڈ رہی تھیں۔ میرے اندر کی آگ پر شہروز کی بے چینی کی نرم نرم پھوار پڑنے لگی تھی۔ میں بے اختیار ہنس دی تھی۔ مسرت چچی، انیقہ چچی، پرنس ماموں سمیت سب میری بلائیں لے رہے تھے علیزہ کے میاں سے میری بہت اچھی گپ شپ تھی، المختصر ڈھیروں شرارتیں کرتے گیت گاتے چڑیوں کی سی چہکار کے ساتھ ڈھیر ساری نیک تمناؤں کے ساتھ ہم نے علیزہ کو رخصت کیا تھا۔ اس یقین کے ساتھ کہ نہایت خوبصورت خوشبوؤں سے مہکتی ہوئی زندگی اس کی منتظر ہے۔

علیزہ کی رخصتی کے بعد شہروز نے ہم سب کو "جھوک" میں پارٹی دی تھی۔ تمام کزنز عترت، فروا، انشی، عبیرہ زندگی سب بڑے شوق سے گئی تھیں لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔ میرا ذہن شاہین سے ہونے والی ملاقات میں الجھا ہوا تھا۔ جانے کیوں میں جب بھی اس سے ملتی تھی اس کی آنکھوں میں ٹھہرا حزن و ملال کا رنگ مجھے بہت سی ان کہی داستانیں سناتا نظر آتا تھا اس کی آنکھوں میں ٹھہری یاس سرد خاموشی کی دبیز تہہ میری رگ و پے میں اترتی تھی۔ میں بے یقینی سے اسے تکے جاتی "شاہین بہت اچھی لڑکی تھی، بے حد محبت کرنے والی، حساس دل کی مالک وہ بہت خوبصورت تھی مگر بے حد خالی دل کی مالک۔

"آخر وہ کون ہے شاہین جس کی خاطر تم نے یہ جوگ لے لیا ہے۔ اتنے اچھے اچھے رشتے ایک ایسے شخص کی خاطر گنوا رہی ہو جسے تمہاری یا تمہارے جذبوں کی کوئی پرواہ نہیں، حد ہے خود غرضی کی"۔ آج تو میں پھٹ پڑی تھی۔

جواباً وہ پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"یہ جو محبت ہوتی ہے نا عنزہ یہ ایک ان دیکھی آگ کی طرح سے ہوتی ہے جو اس کی لپیٹ میں ایک دفعہ آ جائے اسے جلا کر بھسم تو کر ڈالتی ہے مگر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ محبت ایک ضدی بچے کی طرح اپنی تمام باتیں منواتی ہے لیکن خود کسی بات پر کمپرومائز نہیں کرتی۔ تم نے کبھی محبت کی نہیں نا اسی لیے اس کے شیریں مگر بے حد تلخ ذائقے سے ناآشنا ہو"۔ جانے وہ کیا فلسفہ بول رہی تھی۔

"تم مجھے اس شخص کا نام بتاؤ شاہین خدا کی قسم اس کا جا کر تیا پانچہ نہ کر دیا تو کہنا"۔ میں نے ڈرامائی انداز میں کہنا شروع کیا۔

"تم کیا کر سکو گی میرے لیے"۔ وہ استہزائیہ لہجے میں بولی تھی۔

"میں؟" میں اچنبھے سے بولی۔ "تم جانتی ہو میں کیا کیا کر سکتی ہوں، میں جاؤں گی اس شخص کے پاس اور کہوں گی بھائی صاحب آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے کیوں ایک لڑکی کی زندگی تباہ کرنے کو تلے ہوئے ہیں جو غلطی سے آپ سے محبت کر بیٹھی ہے۔ شرافت سے اس سے شادی کیوں نہیں کرتے"۔ تبھی وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی تھی۔ دفعتاً بولی۔

"کاش وہ کسی ایسے طریقے سے بھی مان سکتا"۔ اس کے لہجے میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں تھیں جن کی چبھن میں نے اپنے دل پر محسوس کی تھی۔

"یہاں اتنی سردی میں کیوں کھڑی ہو عنزہ؟" دسمبر کا آخری ہفتہ تھا۔ سردی آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ اوس میں بھیگی رات کا اپنا ہی مزہ ہے اور ساتھ میں اگر چاندنی رات ہو تو مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ قطرہ قطرہ بھیگتی رات میں میں سوچوں کے بھنور میں الجھی زندگی کے نئے روپ نئے جینے کے تقاضوں سے متعلق سوچ رہی تھی کہ ماموں چلے آئے۔ ہاتھ میں کافی کے بڑے بڑے مگ پکڑے۔

"یہاں کیوں کھڑی تھی، سوئی کیوں نہیں؟" کافی کا مگ پکڑاتے ہوئے بولے۔

"آپ بھی تو نہیں سوئے ابھی تک"۔ میں نے الٹا سوال کرنا شروع کر دیا۔

"میری اور بات ہے"۔ دھیمے سے مسکرا کر بولے۔ ہم ہمیشہ ایسی ہی گفتگو کیا کرتے خصوصاً جب ماموں کو کوئی بات پوچھنا ہوتی۔

"میں آپ سے الگ تو نہیں ہوں ماموں جان"۔ مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی لبوں پر۔

"تم کیوں نہیں گئیں"۔

"آپ جانتے ہیں کہ مجھے نہیں جانا تھا اس لیے"۔ میں نے دھیمے سے کہہ کر رخ موڑ لیا اور سامنے سے سڑک پر آتی اکا دکا گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔

"شہروز نے یہ پارٹی تمہارے اعزاز میں دی ہے عنزہ"۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں نہیں آؤں گی پھر بھی"۔ میں اچنبھے سے بولی۔

"آخر جانے میں حرج کیا تھا؟" ماموں جھنجھلا کر بولے تھے۔

"جھوٹی آس دلانے کا کیا فائدہ تھا"۔ میں بھی دوبدو بولی تھی۔

"دیکھو عنزہ! شہروز اچھا لڑکا ہے اور قابل اعتبار بھی اگر اس نے اتنے پیار سے بلایا ہے تو چلی جاتیں سب گئے ہیں اگر......" دفعتاً میں بات کاٹ کر بولی۔

"سب گئے ہیں اسے میری کمی محسوس نہیں ہوگی ماموں اور میں کس رشتے سے اس کی پارٹی میں جاتی۔ سوری ماموں مگر آپ غلطی پر ہیں۔ آپ ناحق اس کی فیور کر رہے ہیں"۔ میں ترخ کر بولی۔ ماموں بغور میرا جائزہ لیتے رہے۔ کافی دیر بعد گہری خاموشی کو

توڑتے ہوئے بولے تھے۔
"کیوں الجھ رہی ہو کیا مسئلہ ہے؟" وہ پیار سے میرے قریب آ کر کھڑے ہوئے۔ میں نے ذرا سا رخ موڑ کر ضبط کا دامن پکڑا میں چھلکنے کو بے تاب تھی۔
"کچھ نہیں"۔ میں نے بمشکل بھرائی آواز میں کہا۔
"کس کے بارے میں سوچ رہی ہو عنزہ؟" ماموں نے میری بھرائی آواز کو یکسر فراموش کر کے مجھ سے پوچھا۔
"شاہین کے بارے میں"۔ میں نے دھیرے سے اعتراف کیا۔۔۔ "وہ اس کے ساتھ اچھا نہیں کر رہا"۔ میں اب باقاعدہ رو رہی تھی۔
"دیکھو عنزہ! شاہین صرف سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہے اور وہ یہ اچھی طرح سے جانتی ہے کہ وہ غلطی پر ہے۔ لاحاصل تمنا ہے اس کی؟ وہ ایک غلط رستے پر غلط سمت میں اندھادھند سفر کر رہی ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ منزل اس کا مقدر نہیں' یہاں اس کا پڑاؤ ممکن نہیں' کجا عمر بھر ٹھہرنا"۔ ماموں کچھ دیر بعد گہری سانس بھرتے ہوئے بولے تھے۔
"لیکن ماموں وہ اس سے بہت محبت کرتی ہے مر جائے گی وہ"۔ میں چیخ اٹھی۔
"ریلیکس عنزہ! اسے کچھ نہیں ہوگا کوئی کسی کی خاطر نہیں مرتا یہاں۔ یہ دنیا ہے بے' یہاں ایسا سب چلتا ہے۔ خیر چھوڑو تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری اماں کیوں نہیں آئیں اور زین؟"
"وہ ویسے پر آئیں گی"۔ میں نے ہلکی آواز میں کہا۔ "شاید زین اور خالہ بھی انہی کے ساتھ آئیں"۔ دفعتاً گیٹ پر گاڑیوں کے ٹائر چرچرائے تھے۔ سب لوگ واپس آ چکے تھے۔ شہروز واپسی پر شاید انہیں چھوڑنے کے لیے آیا تھا۔
ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے اس نے میری طرف بڑی شکوہ بھری نگاہوں سے دیکھا تھا میرا دل کٹ کر رہ گیا۔

❀❀❀

اگلے دن میں جیسے ہی سو کر اٹھی مسرت چچی کا بلاوا آ گیا۔ میں واش روم جانے کی بجائے اندھا دھند ان کی جانب لپکی مبادا کہیں موڈ ہی خراب نہ ہو جائے۔
"السلام علیکم چچی جان!"
"ارے وعلیکم السلام جیتی رہو"۔
"جی! میں ذرا شاور لے لوں۔ رات سر میں درد تھا اس لیے تیل لگایا تھا"۔ کہہ کر میں اٹھ کر جونہی باہر آئی آنسہ میرے سر پر آ پہنچی۔
"تم یہاں کھڑی ہو عنزہ اور میں تمہیں پورے گھر میں تلاش کر رہی ہوں"۔
"کیوں خیریت تو ہے ناں؟" میں نے دہل کر پوچھا۔
"خیریت کہاں' ماموں جان بلا رہے ہیں تمہیں"۔ آنسہ نے جواب دیا۔
"اچھا میں ذرا شاور لے کر آتی ہوں"۔
"ارے اتنا وقت نہیں ہے تم بس ابھی چلو"۔ فی الفور میرا بازو تھاما۔
"اچھا چلو پھر!" میں اس کے ساتھ ہی چل دی۔ پورچ میں ماموں گاڑی اسٹارٹ کیے کہیں جانے کے موڈ میں تھے مجھے دیکھتے ہی پکارنے لگے۔
"چلو بھئی عنزہ' آنسہ بس اب بیٹا گاڑی میں بیٹھو۔
"ایں۔ لیکن کیوں ماموں جانا کدھر ہے' میں متذبذب تھی کیونکہ میری کنڈیشن ہرگز باہر جانے والی نہیں تھی۔ ابھی تو میں نے منہ بھی نہیں دھو

ماموں"۔
"لیکن ماموں......!" قصہ المختصر میں لیکن ویکن کرتی رہی اور میری کسی نے ایک نہ سنی۔
"ابھی تو میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا ماموں"۔ میں نروٹھے پن سے بولی۔
"کوئی بات نہیں آ کر کر لینا"۔ ماموں نے میری بات چٹکی میں اڑا دی۔ گویا ان کے نزدیک یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔
"لیکن جانا کدھر ہے؟" میری سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔
"اوہو عنزہ! ہم تمہیں کوئی اغواء تھوڑی کر رہے ہیں بس ذرا ٹیلر سے کپڑے اٹھانے ہیں اور ماموں کو ایک اور چھوٹا سا کام ہے وہ کر کے واپس آ جائیں گے"۔ آنسہ جو ساری کارروائی خاموشی سے دیکھ اور سن رہی تھی اب کی بار پھٹ پڑی۔ اس کے تفصیلی جواب نے مجھے کچھ مطمئن کیا اور میں پرسکون ہو گئی۔ بیک سے سر ٹکانے پر مجھے نیند آنے لگی تھی۔ میں نے سیٹ ذرا ڈھیلی کی اور بیک سے سر ٹکا کر خود کو پرسکون کرنے کے لیے آنکھیں موند لیں شاید میری آنکھ لگ گئی تھی۔
"چلو اترو اب نیچے"۔ میری آنکھ ماموں کی آواز پر کھلی تھی۔ گاڑی ایک خوبصورت ہوٹل کے سامنے رکی ہوئی تھی۔ میں نے آئینے میں اپنا "آکورڈ حلیہ" دیکھا۔ اتنے میں ماموں گاڑی سے نکل کر میری سائیڈ والا دروازہ کھول چکے تھے۔
"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں ماموں؟"
"ناشتہ کروانے"۔ مختصر جواب حاضر تھا۔
"اتنی دور اور وہ بھی ناشتہ کروانے؟" میں چڑ گئی۔
"بھوک تمہارا فیورٹ ہوٹل ہے ناں!" ماموں نے پوچھا تو میں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"تو بس پھر اترو نیچے"۔
"لیکن میرا حلیہ"
"ارے بھاڑ میں گئیں تم اور تمہارا حلیہ۔ اترتی ہو یا اتاروں نیچے خود؟" اور میں جلدی سے نیچے اتر آئی۔ ماموں سے کوئی بعید جو نہیں تھا۔ اندر کے گرم پرکیف ماحول نے میری طبیعت پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ بھوک ایک دم سے چمک اٹھی۔ ابھی ہم اندر ہال میں داخل ہوئے ہی تھے کہ آنسہ چلا اٹھی۔
"ارے ماموں وہ دیکھیں شہروز بھائی"۔ آنسہ کے پرجوش لہجے میں کہنے پر میں مزید شرمندہ ہوئی بھلا اس حلیے میں اس کے سامنے جاتی کیا میں اچھی لگتی۔
"چلیں آئیں ان سے ملتے ہیں"۔
"رہنے دو ناں انہوں نے ہمیں نہیں دیکھا"۔
"مس عنزہ سیف! انہوں نے نا صرف ہمیں دیکھا ہے بلکہ ہینڈ بھی ویو کیا ہے۔ چلو آؤ اب"۔ ماموں پہلے ہی اس کی طرف بڑھ چکے تھے۔ میں بھی چاروناچار اس کے پیچھے چل دی تھی۔ بڑے پرتپاک انداز میں وہ ہم سے ملا تھا جیسے ہمارا ہی منتظر ہو۔
"زہے نصیب! آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہیں"۔ وہ ہولے سے میری طرف دیکھ کر گنگنایا۔ میں مزید شرمندہ ہو گئی۔
"شہروز بھائی آپ یہاں اکیلے کیا کر رہے ہیں؟" آنسہ نے پوچھا۔
"کسی کا انتظار کر رہا تھا"۔
"تم انتظار بعد میں کر لینا پہلے کھانا منگواؤ' عنزہ نے ناشتہ بھی نہیں کیا"۔
میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ ایک تو ماموں بھی ناں! پھر کھانا آ گیا میں خاموش تماشائی بنی جیسے اس ساری صورتحال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جانے

کیوں میرا دل نہیں مان رہا تھا کہ شہروز سے ملاقات ایک اتفاق ہے۔

''ارے چکن منچورین اور چکن فرائیڈ رائس تو عنزہ کے فیورٹ ہیں''۔ حالانکہ مجھے سخت ناپسند تھے۔ مگر ماموں کے ڈر سے ناچار مجھے دو چار نوالے کھانے پڑے کیونکہ نہ کھاتی تو ڈانٹ پڑتی انہیں رزق کی ناقدری سخت ناپسند تھی۔

''آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں عنزہ؟'' شہروز نے پوچھا اور میری دھڑکن رک گئی۔ ماموں موبائل پر کسی سے بات کررہے تھے۔ آنسہ اردگرد کے لوگوں کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ ماموں بات کرتے کرتے آنسہ کو اشارہ کرتے باہر چل دیئے۔ پیچھے میں اور شہروز بیٹھے رہ گئے اب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مجھے یہاں شہروز ہی کے کہنے پر لائے ہیں۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' میں غرائی۔

''حال احوال پوچھنا بدتمیزی ہے کیا؟'' گہرے گھمبیر لہجے میں سوال ہوا۔ میری سانسیں تھمنے لگیں۔

''آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا؟''

''اوہ!'' وہ جیسے ساری بات سمجھتے ہوئے گہری سانس بھر کر بولا۔ ''بلانے پر تم نے آنے سے انکار کردیا تھا''۔ اس نے شکوہ کیا۔

''اور آپ نے یہ گھٹیا طریقہ اپنایا''۔ میں بھڑک اٹھی۔ اس کے اقبال جرم نے مجھے شہہ دی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے جو تم سے کہنا چاہتا تھا وہ وہاں نہیں کہہ سکتا تھا''۔

''لیکن مجھے کچھ نہیں سننا' مجھے جانے دیں''۔ میں اٹھنے لگی۔ اس نے ہاتھ تھام کر بٹھادیا۔

''میری بات بہت ضروری ہے عنزہ! اسے سنے بغیر میں تمہیں ہرگز نہیں جانے دوں گا''۔ اس کے اٹل لہجے نے مجھے بھربھری ریت کی دیوار کی مانند ڈھا دیا تھا۔

''کہیے''۔ میں نے لٹھ مار انداز میں کہہ کر گویا احسان عظیم کیا۔

''شادی کروگی مجھ سے؟'' ایک دھماکا ہوا تھا میرے سر پر کہ میں سنبھل ہی نہ سکی۔ بس ٹکر ٹکر اس کی کیفیت میں شہروز کو تکے جارہی تھی جبھی وہ دوبارہ بولا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے عنزہ۔ پلیز کچھ بولو''۔

''مم...... میں کیا بولوں؟'' بمشکل تمام چند الفاظ ٹوٹ کر لبوں پر بکھرے تھے۔

''جواب دو عنزہ کیا تم مجھ سے شادی کروگی میری سونی زندگی میں محبت کی دھنک رنگ اوڑھ کر اپنے سنہرے روپ سے میری زندگی کو روشن کروگی۔ میری تنہا اداس راتوں میں میری ہمسفر بنوگی؟'' وہ بول رہا تھا اور میں بے یقینی میں گھری اپنے حواس کھورہی تھی۔

''عنزہ! خدا کی قسم تمہیں دیکھا تو پہلی ہی نظر میں مجھے یقین ہوگیا کہ میری تلاش ختم ہوگئی ہے۔ ان برسوں کی طویل ریاضت کا ثمر مل گیا ہے۔ میری زندگی میں بہت سی لڑکیاں آئیں لیکن کوئی بھی مجھے اپنی طرف متوجہ نہ کرسکی کیونکہ ان میں سے کوئی میری پرسنلٹی سے متاثر تھی تو کسی کو میری مالی پوزیشن سوسائٹی میں اعلیٰ مقام سے شغف تھا۔ مجھے خالص پاکیزہ ان چھوئے جذبات رکھنے والی لڑکی چاہیے تھی جو صرف مجھ سے محبت کرے نا کہ میری دولت سے جو میرا باطن دیکھے نہ کہ میرا بینک بیلنس۔ اور یقین کرو عنزہ تمہیں دیکھا تو مجھے یقین آ گیا کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جس کی تلاش میں میں نے زندگی کے اتنے سنہرے سال گنوائے۔ آج میری تلاش ختم ہوگئی۔ جب تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تو اسی وقت دل چاہا کہ تمہیں سب بتادوں لیکن تم یقین نہ کرتی کیونکہ اس رات پارلر سے واپسی پر مجھے تمہارا بات بدلنا اور خود کو موضوع گفتگو بننے سے بچانا بہت اچھا لگا تھا۔ اس وقت مجھے تمہارے کردار اعلیٰ کی بھی سند مل گئی یقین کرو میں نے اسی رات تمہارے بارے میں ماموں کو بتادیا تھا''۔

وہ بول رہا تھا اور میں لاشعوری طور پر اس بحث میں الجھی تھی جو اماں سے کیا کرتی تھی۔ اب کہاں تھی اماں۔ آؤ آ کر دیکھو۔ اماں تم کہتی ہو ناں کہ چھوٹے گھر کی لڑکیوں کے لیے اونچے گھروں کے بر نہیں آتے (آتے ہیں اماں)

''میرے لیے آئے گا ماں تو دیکھنا''۔ میں چڑ کر کہتی اماں چپل اٹھا کر میرے پیچھے ہولیتیں۔

''میں تجھے جان سے ماردوں گی عنزہ خدا کی قسم!'' اماں مجھے دھمکاتی۔

''مارلینا اماں لیکن یہ طے ہے کہ جس دن مجھے کوئی ملا میں دومنٹ کی تاخیر کیے بغیر اسے اپنی زندگی میں شامل کرلوں گی۔ میں فیصلہ کن انداز میں کہتی۔

''اول تو تجھے کوئی مل اونر بیاہنے آئے گا نہیں اور اگر آ بھی گیا تو میں تجھے کبھی بھی اپنے ہاتھوں سے رخصت نہیں کروں گی بلکہ تو مری ہوئی کا منہ بھی نہیں دیکھ سکے گی''۔

''کیوں اماں اتنی شدت پسندی کیوں کیا تجھے میری خوشی عزیز نہیں ہے؟''

''تو کیسی بیٹی ہے کہ ماں کی خوشی کی پرواہ نہیں کرتی۔ تیرے پیچھے اپنی جوانی بیوگی کی چادر اوڑھ کر گزاری تو ایسا کرکچھ پھر دیکھنا میں تجھے اپنا دودھ نہیں بخشوں گی۔ اُف تو یہ ساری الجھن اس وجہ سے تھی میرے اندر کی لڑکی اب بین کررہی تھی۔ تو نے یہ کیسی

کیا آپ کے ذہن میں کوئی واقعہ گردش کررہا ہے؟

کیا آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے؟

کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا نام بھی نام ور مصنفوں کے ساتھ لیا جائے؟

اگر آپ کی یہ دلی خواہش ہے تو

ماہنامہ
نئے افق
کراچی

کے صفحات آپ کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے لئے حاضر ہیں

دیر نہ کیجئے' قلم اٹھائیے!

اگر آپ بھی شاہد ہیں کسی حادثے کے' راوی ہیں کسی المیے کے' اگر آپ کے سینے میں چھپی ہوئی ہیں کچھ حکایتیں' کچھ روایتیں تو خاموش نہ بیٹھیں بلکہ پورے اعتماد کے ساتھ نئے افق کو لکھ بھیجیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کی تحریر کسی بھٹکے ہوئے کے لیے مشعل راہ بن جائے۔ کوئی بچھڑا ہوا اپنوں سے مل جائے۔ کوئی بدی کی گہری کھائی میں گرنے سے بچ جائے۔

اپنی تحریر صفحے کی ایک جانب' ایک سطر چھوڑ کر لکھیں۔ کہانی کے آخر میں اپنا نام اور مکمل پتہ ضرور لکھیں۔ مرکزی خیال خوب صورت اور سبق آموز ہونے پر ہم آپ کی تحریر کو کہانی کی شکل دیں گے۔

ماہنامہ نئے افق احمد چیمبر زآئی آئی چندریگر روڈ کراچی۔ 74200
فون نمبر 2628014 فیکس: 2639577
EMail:naeyufaq@cyber.net.pk

بیڑیاں ڈال دیں اپنی بیٹی کے پیروں میں اماں؟ کیسا ظلم کیا تُو نے اپنی بیٹی پر کہ وہ خود جب قسمت اسے موقع دے رہی ہے اپنی مرضی سے اپنی زندگی نہیں گزار سکتی۔ جب اس کی کوئی چاہ کررہا ہے لیکن وہ ......؟ کیوں اماں ...... کیوں ......! تُو نے کیسی قسم دے دی اماں، جانتی تھی ناں عنزہ چاہے جتنی خودغرض بن جائے اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتی۔

آندھی طوفان کے تیز جھکڑوں میں ہچکولے کھاتا میرا وجود بظاہر بالکل ساکت تھا اور میں پتھرائی نظروں سے شہروز کو دیکھ رہی تھی جو کب کا اپنی کہہ کر میری سننے کا منتظر تھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے شہروز آپ کی باتوں کا میں یقین کرلوں گی بلکہ شادی پر بھی راضی ہوجاؤں گی؟" میں نے بے حد تلخ لہجے میں پوچھا۔ کیوں؟ میں نہیں جانتی شاید میں لاشعوری طور پر خود کو اس دکھ سے بچانا چاہ رہی تھی۔

"تو کیا تم مجھے پسند نہیں کرتیں؟" بے یقینی سے اس نے پوچھا۔

"آپ سے یہ کس نے کہا؟" میں نے اسے آزمانا چاہا۔

"مجھے لگا تھا جیسے تم بھی مجھے پسند کرنے لگی ہو۔ میں تمہیں اچھا لگنے لگا ہوں"۔ جھکے سر کے ساتھ وہ آہستہ سے بولا تھا۔ میرے اندر ایک شور برپا ہونے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں مگر اس نظر سے نہیں بلکہ بحیثیت ایک اچھے انسان کے آپ سے ملنا، باتیں کرنا مجھے اچھا لگتا ہے"۔ میں نجانے کیا کیا اور کیوں بول رہی تھی مجھے خود کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ ایک بے کلی سی میرا دامن گھیرنے لگی تھی۔ اماں کی دھمکی آمیز آواز کی بازگشت میرے کانوں میں گونج رہی تھی یا ایک مجبور و بے بس لڑکی کی آہیں؟

"میں جانتا ہوں تمہارے لیے یہ سب بہت اچانک ہے عنزہ لیکن بلیو می، میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔ تم سے بہت محبت کرتا ہوں کرتا رہوں گا آئی پرامس عنزہ"۔ میں جانتی تھی وہ سچ کہہ رہا ہے لیکن میں کیا کرتی میرے پیروں میں سماج کی نہیں ایک ماں کی ڈالی ہوئی مجبوری کی زنجیریں تھیں جن کو میں چاہ کر بھی توڑ نہ پارہی تھی۔

"اچھا ......! میں استہزائیہ ہنسی۔" کیا کرسکتے ہیں آپ میرے لیے؟" میں نے عجیب سے لہجے میں پزل کھیلنا شروع کیا۔

"جو تم کہو عنزہ! میں تمہارے لیے سب کرنے کو تیار ہوں"۔

"اتنا بڑا دعویٰ نہ کریں شہروز، ہار جائیں گے"۔ میں نے اکسایا یہ جاننے کے لیے کہ وہ اپنی بات کا کتنا پکا ہے۔

"محبت کبھی ہارتی نہیں ہے عنزہ جیت ہی اس کا مقدر ہوتی ہے اور میری محبت اتنی ناپائیدار اور کمزور نہیں کہ ہار جائے"۔ اٹل لہجے میں کہتا وہ میری نظروں میں جھانک رہا تھا۔ اس کے لہجے کی سچائی اور آنکھوں کی وارفتگی نے میرا سینہ چھلنی کردیا تھا۔ دل لہو کے آنسو رونے لگا تھا۔

"تو پھر شادی کرلیں شامین سے۔ بہت محبت کرتی ہے وہ آپ سے۔ آپ کی خاطر ابھی تک شادی نہیں کی اُس نے"۔ میں یہ کہہ کر اٹھ آئی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ماموں اور آنسہ اب باہر نہیں ہوں گے۔ میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا، جانتی تھی ناں اگر پیچھے مڑ کر دیکھا تو پتھر کی ہوجاؤں گی۔ واپسی میرے لیے کسی طور ممکن نہیں رہے گی اور میں چلی آئی گھر کیسے پہنچی مجھے یاد نہیں، یاد تھا تو فقط اتنا کہ سینے کے

ہر جانب درد کی تیز لہریں اٹھ کر مجھے حال سے بے حال کررہی تھیں۔ کچھ خالی پن کا احساس لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگا تھا۔ تمام راستہ میں روتی آئی تھی۔

گھر آئی تو اماں اور زین آئے ہوئے تھے۔ میں بہت خالی آج خود کو محسوس کررہی تھی کبھی نہیں کیا تھا۔ میں دوڑ کر اماں کے سینے سے جا لگی تھی۔

"رو کیوں رہی ہے عنزہ! میری بچی ماں صدقے"۔ اماں بے تابی سے مجھے چوم رہی تھیں میری بلائیں لے رہی تھیں۔ شاید یوں زندگی میں پہلی بار۔

"اماں مجھے چھپالو اماں۔ میں بڑی دور سے لوٹی ہوں اماں میں منزل پاکر بھی نامراد ٹھہری۔ اماں کیونکہ میں تجھ سے بڑی محبت کرتی ہوں اماں مجھے چھپالو...... میں بہت تھک گئی ہوں۔ میرے پیر چھلنی ہوگئے اماں"۔ میں بے ربط انداز میں کہتی اماں کو حیران کررہی تھی۔ بڑے عرصے بعد میں اماں کے سینے سے لگی تھی۔ مگر بڑی ہی بکھری بکھری حالت میں زخموں سے چور سینے میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ۔

❁❁❁

"اور پھر سب نے اپنی اپنی کوششیں کرکے دیکھ لی تھیں مگر میری ناں ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ شہروز نے ہار نہیں مانی تھی بلکہ اس نے اپنی ہر کوشش کی تھی، اماں نے خاموشی سے فیصلہ کرنے کا اختیار مجھے دے دیا تھا اس یقین کے ساتھ کہ میں قسم نہیں توڑوں گی، خود کو توڑ دوں گی۔ ماموں نے مجھے جی بھر کر میری بے وقوفی اور نا اہلی پر کوسا تھا۔

"اپنے دل کو ویران مت کرو عنزہ۔ خالی دل سے انسان انسان نہیں کہلاتا بلکہ زندہ لاش کہلاتا ہے نہ خود اپنے ارمانوں کا قتل کرو یہ سودا بڑا مہنگا اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ خدا کے لیے خود پر رحم کرو اور شہروز پر بھی"۔ ماموں مجھے سمجھا رہے تھے۔

آخری فون ماموں نے کیا تھا۔

"شہروز نے کل شام سادگی سے شامین کے ساتھ نکاح کرلیا ہے عنزہ! مگر وہ خوش نہیں تھا۔ تم نے اچھا نہیں کیا۔ نہ اپنے ساتھ نہ شہروز کے ساتھ"۔

میں رونا چاہتی تھی مگر رو نہیں پائی تھی۔ میں چیخنا چاہتی تھی مگر میری آواز کہیں حلق میں ہی پھنس گئی تھی۔ میں زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ اردگرد کوئی سہارا نہ پاکر اور سہارے تو میں نے خود ہی گنوائے تھے۔

اماں پڑوس میں تھیں جب باہر بیل ہوئی۔ بمشکل تمام میں خود کو گھسیٹتی ہوئی دروازے تک گئی تھی۔ سامنے کوریئر سروس کا لڑکا کھڑا تھا۔ میں نے دستخط کرکے خط تھام لیا اور اندر آگئی۔ بڑی جانی پہچانی سی تحریر تھی۔

"یہ محبت کی کیسی آزمائش ہے عنزہ کہ موت مانگے سے بھی نہیں مل رہی۔ محبت کے امتحان میں سرخرو ہونے کی چاہ میں میں نے محبت کو ہی کھودیا۔ کیا مجھ سے زیادہ بدنصیب اور کوئی اس روئے زمین پر ہوگا؟"

اور آج میں ٹوٹ گئی تھی۔ میرے اندر وحشتوں کے جنگل اُگ آئے تھے۔ سوچیں، کچھ کھونے کا احساس کسی عفریت کی مانند مجھے ڈسنے کو بے تاب تھا۔ میرے اندر شور بڑھنے لگا تھا۔ اس لیے میں نے باہر کا شور بڑھادیا اور زمین پر بیٹھ کر خوب دھاڑیں مار کر رونے لگی۔